https://ataunnabi.blogspot.com/

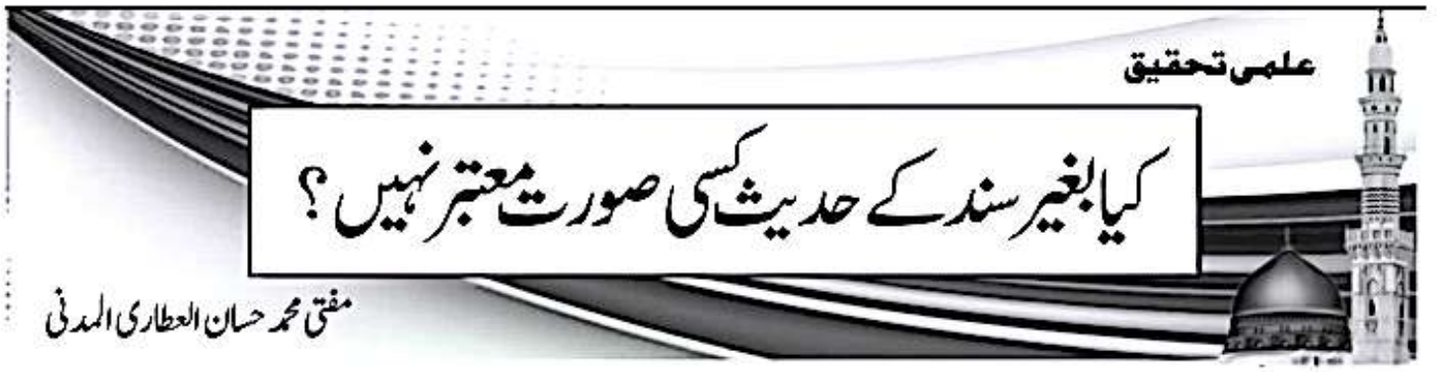

علمی تحقیق

کیا بغیر سند کے حدیث کسی صورت معتبر نہیں؟

مفتی محمد حسان العطاری المدنی

اگر حدیث بلا سند ہو لیکن فضائل سے تعلق رکھتی ہو اور کسی معتبر کتاب میں اس کو نقل کیا گیا ہو اور ائمہ نے اس پر اعتماد کیا ہو نیز موضوع حدیث کے قواعد میں سے کسی قاعدہ کے مطابق وہ موضوع قرار نہ دی گئی ہو تو وہ حدیث معتبر ہوا کرتی ہے۔

اسناد کی اہمیت اور فضیلت پر مشتمل ائمہ محدثین کے متعدد اقوال ہیں۔ جن کی قدرے تفصیل امام حافظ احمد بن اسماعیل عجلونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ت ۱۱۶۲ھ) نے اپنی کتاب الفوائد الداري في ترجمة الإمام البخاري میں، علامہ محدث عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ت ۱۳۰۴ھ) نے الأجوبة الفاضلة للأسئلة العشرة کے پہلے جواب میں بیان کی ہے، نیز عبد الفتاح ابو غدہ نے بھی مستقل ایک کتاب الإسناد من الدين کے نام سے تحریر کی ہے۔ ان کتب میں اسناد کی فضیلت میں کئی اقوال بیان کیے گئے ہیں۔

لیکن کیا احادیث طیبہ اسی صورت میں معتبر ہوں گی جب کہ وہ سند کے ساتھ بیان ہوں یا اگر بلا سند بھی حدیث کسی معتبر کتاب میں موجود ہو تو وہ معتبر ہو سکتی ہے؟ سند کی فضیلت و اہمیت پڑھ کر اکثریت کے ذہن یہ بن چکے ہیں کہ بلا سند حدیث معتبر ہی نہیں ہوگی، حالانکہ علی الاطلاق ایسا نہیں۔ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اذہان اکثر قاصرین زمان میں سند کی فضیلتیں اور کلام اثریین میں اتصال کی ضرورتیں دیکھ دیکھ کر مرتکز ہو رہا ہے کہ احادیث بے سند اگرچہ کلمات ائمہ معتمدین میں بصیغۂ جزم مذکور ہوں مطلقا باطل و مردود و عاطل کہ احکام، مغازی، سیر، فضائل کسی باب میں اصلاً نہ سننے کے لائق، نہ ماننے کے قابل حالانکہ یہ محض اختراع بین الاندفاع مشاہیر محدثین و جماہیر فقہاء دونوں فریق کے مخالف اجماع ہے۔[1]

امام اہل سنت علیہ الرحمۃ نے اس عبارت میں واضح فرمایا ہے کہ سند کی فضیلتیں اور اتصال کی ضرورت دیکھ کر اگرچہ اکثر اذہان میں یہی مرکوز ہے کہ بے سند کوئی حدیث معتبر ہے ہی نہیں، چاہے کسی باب سے متعلق ہو، چاہے معتمد علما کے کلام میں جزم کے صیغہ کے ساتھ وارد ہوں۔ اور یہ بات باطل ہے۔

حدیث جب عقائد و احکام سے تعلق نہ رکھتی ہو اور کتب معتبرہ میں صیغۂ جزم جیسے قال، وغیرہ کے ساتھ موجود ہو، نیز دیگر دلائل سے اس کا موضوع ہونا ثابت نہ ہو چکا ہو، علما نے اس کے بیان کرنے پر اعتماد کیا ہو تو ایسی حدیث فضائل میں معتبر ہوتی ہے۔ ہاں اگر یہ کسی دوسری قوی حدیث کے اس طرح معارض ہو کہ تطبیق بین الحدیثین نہ ہو سکے تو قابل اعتبار نہیں ہوگی۔ یہ تمام باتیں ائمہ حدیث کے اقوال اور عمل سے ثابت ہیں۔ چند نصوص جو میرے مطالعہ سے گزری ہیں یہاں ذکر کرتا ہوں۔

(۱) حافظ محمد طاہر بن علی گجراتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ت ۹۸۶ھ) یہ امام علی متقی الھندی صاحب کنز العمال، حافظ ابن حجر ہیتمی، علی بن عراق صاحب تنزیہ الشریعۃ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے شاگرد ہیں اور علم حدیث کے ائمہ میں ان کا شمار ہوتا ہے، مجمع بحار الأنوار في غرائب التنزيل ولطائف الأخبار، المغني في ضبط أسماء الرجال. اور قانون الموضوعات جیسی بلند پایہ کتابوں کے مصنف ہیں، یہ اپنی تصنیف تذکرۃ الموضوعات میں فرماتے ہیں: وفي العدة: واعلم أن الأحاديث التي لا أصل لها لا تقبل والتي لا إسناد لها لا يروى بها: ففي الحديث ((اتقوا الحديث عني إلا ما علمتم فمن كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار)) فقيد ﷺ الرواية بالعلم وكل

(۱)-فتاوی رضویہ، جلد ۵ صفحہ ۶۲۱۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حديث ليس له إسناده صحيح ولا هو منقول في كتاب مصنفه إمام معتبر لا يعلم ذلك الحديث عنه ﷺ فلا يجوز قبوله. یعنی: العدۃ میں ہے: جان لیجیے کہ وہ احادیث جن کی کوئی اصل نہیں ان کو قبول نہیں کیا جائے گا، اور وہ احادیث جن کی کوئی سند نہیں ان کو روایت نہیں کیا جائے گا، حدیث میں ہے: مجھ سے احادیث کو روایت کرنے میں احتیاط کرو، وہی حدیث روایت کرو جس کو تم جانتے ہو، جس نے جانتے بوجھتے مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ نبی کریم ﷺ نے روایت کو علم کے ساتھ مقید کیا ہے۔ اور ہر وہ حدیث جس کی کوئی صحیح سند نہ ہو اور نہ وہ کسی امام معتبر کی کتاب میں نقل کی گئی ہو، اس حدیث کا نبی کریم ﷺ سے منقول ہونا معلوم نہیں ہوگا، لہٰذا اس کو قبول کرنا جائز نہیں ہوگا۔ (۲)

صاحب عدہ نے حدیث سے استدلال کرتے ہوئے یہ ذکر فرمایا ہے کہ وہی حدیث روایت کی جائے گی جس کے بارے میں معلوم ہو کہ یہ حدیث مصطفیٰ ﷺ ہے اور یہ معلوم ہونا یا تو کسی سند کے ذریعے ہوگا یا پھر ایسی کتاب میں ہو [illegible] کے امام معتبر ہیں۔ اور حافظ طاہر پٹنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے برقرار رکھا ہے۔

(۲) اعلیٰ حضرت امام اہل سنت امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: بالفرض اگر کتب حدیث میں اصلا پتا نہ ہو، تاہم ایسی حدیث کا بعض کلمات علما میں بلا سند مذکور ہونا ہی بس ہے۔ أقول: بھلا، یاں تو طرق مسندہ باسانید متعددہ کتب حدیث میں موجود، علمائے کرام تو ایسی جگہ صرف کلمات بعض علما میں بلا سند مذکور ہونا ہی سند کافی سمجھتے ہیں، اگرچہ طبقہ رابعہ کسی طبقہ حدیث میں اس کا نام ونشان نہ ہو۔

پھر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی مثال بیان فرمائی کہ وصال ظاہری کے بعد امیر المؤمنین حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور شافع یوم النشور ﷺ کو ندا فرمائی: "بأبي أنت وأمي يا رسول الله." میرے ماں باپ حضور پر قربان یا رسول اللہ اور پھر حضور ﷺ کے فضائل جلیلہ وشمائل جمیلہ عرض کیے۔ یہ حدیث امام ابو محمد عبد اللہ بن علی لخمی اندلسی رشاطی نے کہ پانچویں صدی کے علما سے تھے اپنی کتاب "اقتباس الأنوار والتماس الأزهار" میں اور امام ابو عبد اللہ محمد محمد ابن الحاج عبدری مکی المالکی نے جو آٹھویں صدی کے فضلا سے تھے ۷۳۷ھ میں وصال ہوا اپنی کتاب مدخل میں ذکر کی اور دونوں نے اس کو بلا سند ذکر کیا، ائمہ کرام وعلما اعلام نے ان دونوں کتابوں سے بڑھ کر کسی اور کتاب میں اس کو نہیں پایا، کتب حدیث میں اصلا نشان نہ ملا۔ لیکن مقام چونکہ مقام فضائل تھا، لہٰذا اسی قدر کو کافی سمجھا، ان نادانوں کند حواسوں فرق مراتب ناشناسوں کی طرح طبقہ رابعہ میں ہونا درکنار اصلاً کسی طبقہ میں نہ ہونا بھی انہیں اس کے ذکر وقبول سے مانع نہ آیا بلکہ اس سے استناد فرمایا۔ اس حدیث کو علامہ ابو العباس قصار نے شرح قصیدۂ بردہ شریف میں ذکر کیا، اور انہوں نے رشاطی کا حوالہ دیا، امام علامہ احمد قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں اس کو جزماً ذکر کیا، اور انہوں نے شرح قصار اور مدخل کا حوالہ دیا۔ اسی طرح اس کو علامہ خفاجی نے نسیم الریاض میں شیخ محقق نے مدارج النبوۃ میں ذکر کیا۔ (إلى أن قال): حدیث مذکور فاروقی بأبي أنت وأمي يا رسول الله کا ایک پارہ امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی شفا شریف میں یونہی بلا سند ذکر فرمایا، اس پر امام خاتم الحفاظ جلال الملۃ والدین سیوطی نے مناہل الصفا في تخریج احادیث الشفا پھر ان کے حوالہ سے علامہ خفاجی نے نسیم الریاض میں ارشاد کیا:

لم أجده في شيء من كتب الأثر، لكن صاحب اقتباس الأنوار وابن الحاج في مدخله ذكراه في ضمن حديث طويل، وكفى بذلك سندا لمثله، فإنه ليس مما يتعلق بالأحكام.

یعنی کتب حدیث میں اس بارے میں مجھے کوئی بات نہیں ملی ہے، لیکن صاحب اقتباس الانوار اور ابن الحاج نے اپنی مدخل میں ایک طویل حدیث کے ضمن میں ذکر کیا ہے، اور اس طرح کی حدیث کے لیے اسی کی مثل سند (یعنی کتاب میں ہونا: حسان) کافی ہے، کیونکہ یہ حدیث ان احادیث سے نہیں جو احکام سے تعلق رکھتی ہیں۔ (۳)

جلیل القدر ائمہ حدیث وفقہ کے عمل اور قول سے سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس بات کو واضح فرمایا کہ حدیث بلا سند جب فضائل سے تعلق رکھتی ہو اور معتبر ائمہ کی کتب میں موجود ہو اور علما اس کو نقل کرتے ہوں تو اس کے قبول میں کوئی حرج نہیں۔

(۳) جلال الملۃ والدین حافظ عبد الرحمن المعروف جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جن کے بارے میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: یہ

(۲)- تذکرۃ الموضوعات صفحۃ، طبع ادراۃ الطباعۃ المنیریۃ القاہرۃ الطبعۃ الأولى، ۱۰

(۳)- فتاویٰ رضویہ جلد: ۵۔ صفحہ: ۵۶۱۔ ملخصا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

وہ امام ہیں کہ فنِ حدیث میں جن کے بعد ان کا نظیر نہ آیا۔[۴]

فن حدیث کے تقریبا تمام موضوعات پر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصانیف ہیں، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تصنیف جامع صغیر میں حدیث مبارکہ (اختلاف أمتي رحمة) روایت کی ہے۔ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

نصر المقدسي في الحجة، والبيهقي في الرسالة الأشعرية بغير سند، وأوردة الحليمي، والقاضي حسين، وإمام الحرمين وغيرهم، ولعلة خرج في بعض كتب الحفاظ التي لم تصل إلينا.

یعنی اس حدیث کو نصر المقدسی نے حجہ میں، امام بیہقی نے "الرسالة الاشعریة" میں بغیر سند کے ذکر کیا، نیز اس حدیث کو حلیمی، قاضی حسین اور امام الحرمین وغیرہم نے بھی اپنی تصانیف میں وارد کیا ہے، شاید یہ ان حفاظ کی کتب میں سے کسی کتاب میں ہے جو ہم تک نہیں پہنچی۔[۵]

یہ حدیث بلا سند ہے لیکن اس کے باوجود علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کو نقل کر رہے ہیں اور کتب معتبرہ میں اس کا ہونا کافی جان رہے ہیں۔ اور یہ بیان فرما رہے ہیں کہ ان اجل ائمہ نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ لہٰذا ممکن ہے کہ یہ حدیث ان کتابوں میں سند ا ہو جو ہم تک نہیں پہنچی، یہاں یہ الگ بحث ہے کہ محدثین نے اس کے متقارب الفاظ کی اسانید بیان کی ہیں جس کا کافی بیان اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے رسالہ مبارکہ صفائح اللجین میں ہے۔

(۴) محدثین لا اصل له کا جملہ استعمال کرتے ہیں اس کا ایک محمل یہ ہے کہ اس کی سند نہیں ہے، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تدریب الراوی میں اس کا یہی معنی نقل فرمایا ہے۔[۶]

اس مفہوم کو پیش نظر رکھتے ہوئے[۷] حدیث علماء أمتي كأنبياء بني إسرائيل کے بارے میں علما کے اقوال ملاحظہ فرمائیں۔

اس کے بارے میں علما کے تین طرح کے کلمات ہیں۔

(۱) محدثین کی ایک بڑی تعداد نے مطلقا یہ ارشاد فرمایا کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے، (یعنی اس کی کوئی سند نہیں ہے) اس سے زائد کچھ ارشاد نہیں فرمایا۔

(۲) بعض علما نے یہ ارشاد فرمایا کہ ان الفاظ کے ساتھ اس کی کوئی اصل نہیں، البتہ اس کا معنی ثابت ہے۔ ان دونوں اقوال میں تطبیق بآسانی ممکن ہے۔

(۳) جب کہ علما کی ایک تعداد اس کے مرفوع ہونے پر جزم کرتے ہیں۔

اس حدیث سے ہمارے موضوع پر استدلال اس طرح ہے کہ جن محدثین نے یہ کہا ہے کہ اس کی کوئی اصل (سند) نہیں ان میں سے بعض نے یہ اضافہ کیا ہے کہ یہ کسی کتاب معتبر میں بھی نہیں پائی جاتی، جس کا واضح مفہوم یہ نکلتا ہے کہ اگر کتاب معتبر میں ہوتی تو اس کے قبول میں حرج بھی نہیں تھا۔ بلکہ بعض وہ علما جو اس کے مرفوع ہونے پر جزم کرتے ہیں وہ اس کی سند نہ ہونے کے باوجود یہی دلیل پیش کرتے ہیں کہ یہ کتب معتبرہ میں پائی جاتی ہے۔ یعنی ان کے نزدیک اس کا کتب معتبرہ میں ہونا ثابت ہے۔ لہٰذا اس حدیث کا اعتبار کیا جائے گا۔

عبارات علما ملاحظہ فرمائیں۔

امام دمیری، امام زرکشی، حافظ عراقی، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہم اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں: لا أصل له، حافظ عراقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ الفاظ زائد فرمائے ہیں:

و لا إسناد بهذا اللفظ، و يغني عنه: "العلماء ورثة الأنبياء"، وهو صحيح.

اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور ان الفاظ کے ساتھ اس کی کوئی سند نہیں ہے، اور حدیث "العلماء ورثة الأنبياء" ہمیں اس سے مستغنی کر دیتی ہے، اور یہ دوسری حدیث صحیح ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی، علامہ عبد الرؤف المناوی، علامہ عبد الرحمن بن علی الشیبانی، امیر کبیر المالکی، کرمی، حافظ زرقانی رحمۃ اللہ علیہم نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا: "لا أصل له" ان میں سے بعض نے مطلقا ارشاد فرمایا اور بعض نے ماقبل علما کا حوالہ دے کر یہ بات ارشاد فرمائی۔[۸]

---

(۴)- فتاوی رضویہ جلد ۲۲ صفحہ ۲۹۹۔

(۵)- ((الجامع الصغیر)) جلد ۱ صفحہ ۲۶۷ رقم ۲۸۸ مطبوعہ دار الفکر

(۶)- تدریب الراوي جلد ۱ صفحہ ۳۴۴ نوع معرفة المقلوب، دار الكلم الطيب دمشق، الطبعة الأولى ۱۴۲۶ھ

(۷)- علما نے وہ حدیث مشہور جس کی کوئی سند نہ پائی جائے اس کے لیے اسی حدیث کی مثال دی ہے دیکھیے: الفتح المغیث جلد ۳ صفحہ ۳۶، اليواقيت والدرر في شرح نخبة ابن حجر جلد ۱ صفحہ ۲۷۶

(۸)- اللآلي المنثورة في الأحاديث المشهورة صفحة ۱۲۰ رقم ۱۵۴، طبع المكتب الإسلامي ۱۴۱۷ھ فيض القدير جلد ۴ صفحة ۴۸۸ بيروت

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حضرت علی بن سلطان المعروف ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ت ۱۰۱۴ھ) نے بھی "المصنوع" اور "الأسرار المرفوعة" میں علامہ دمیری، زرکشی اور عسقلانی رحمۃ اللہ علیہم کے حوالے سے لکھا ہے: "لا أصل له"، "الأسرار المرفوعة" میں مزید لکھتے ہیں: وسكت عنه السيوطي. حافظ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے بارے میں سکوت فرمایا ہے۔ (۹)

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ سکوت ان کی تصنیف لطیف الخصائص الکبریٰ میں ہے جس میں انہوں نے اس امت کی خصوصیت کا باب باندھا ہے لیکن اس میں یہ حدیث پاک ذکر نہیں کی عنقریب حافظ غزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام میں اس کا ذکر آرہا ہے۔

علامہ سمہودی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

"قال الترمذي، وابن حجر، والزركشي: لا أصل له." (۱۰)

الغماز کے مطبوعہ نسخہ دار الکتب العلمیہ میں ترمذی لکھا ہے اسی طرح میں نے الغماز کے دو قلمی نسخے دیکھے وہاں بھی اس حدیث کے تحت ترمذی ہی لکھا ہے، شاید یہ کسی ناسخ کی غلطی ہے کیونکہ کسی نے بھی امام ترمذی کا حوالہ نہیں دیا صرف الغماز میں ہی ترمذی مذکور ہے۔ ترمذی کی جگہ غالبا دمیری ہے۔

حافظ محمد بن عبد الرحمن سخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ت ۹۰۲ھ) فرماتے ہیں:

"قال شيخنا ومن قبله الدميري، والزركشي: إنه لا أصل له، زاد بعضهم: ولا يعرف في كتاب معتبر"

یعنی ہمارے شیخ (حافظ ابن حجر) اور ان سے قبل دمیری اور زرکشی رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا کہ اس کی کوئی اصل نہیں ہے، اور ان میں سے بعض نے یہ بھی مزید فرمایا: کہ یہ کسی معتبر کتاب میں بھی نہیں ہے۔ (۱۱)

حافظ طاہر پٹنی گجراتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی "تذكرة الموضوعات" میں حافظ ابن حجر اور امام زرکشی کے حوالے سے اس کے بارے میں فرمایا: "لا أصل له ولا يعرف في كتاب معتبر." (۱۲)

محمد بن بشیر الظافری الازہری نے بھی حافظ ابن حجر، دمیری، زرکشی اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہم کے حوالے سے لکھا ہے:

"لا أصل له، ولا يعرف في كتاب معتبر." (۱۳)

علامہ محمد بن المفلح المقدسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ت ۷۶۳ھ) اپنی تصنیف "الآداب الشرعية" میں فرماتے ہیں:

"وأما ما يذكره بعض الناس "علماء أمتي كأنبياء بني إسرائيل" فلم أجد له أصلا ولا ذكر له في الكتب المشهورة المعروفة ولا يصح."

یعنی بعض لوگ جو یہ بیان کرتے ہیں کہ "علماء أمتي كأنبياء بني إسرائيل"، اس کی مجھے کوئی اصل نہیں ملی، اور نہ ہی کتب مشہورہ معروفہ میں اس کا کوئی ذکر ہے اور نہ یہ صحیح ہے۔ (۱۴)

یہ ان علما کی عبارات تھیں جنہوں نے اس کی اصل یعنی سند نہ ہونے کا ذکر کیا جب کہ ان میں سے بعض وہ ہیں جو یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ کسی کتاب معتبر میں بھی نہیں پائی جاتی۔

علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ت ۱۲۳۱ھ) فرماتے ہیں:

"قال بعضهم هذا الحديث لا أصل له ولكن معناه صحيح لما تقرر أن العلماء ورثة الأنبياء قاله ابن حجر في شرح الهمزية."

یعنی بعض علما نے یہ فرمایا کہ اس کی کوئی اصل نہیں مگر اس کا معنی صحیح ہے، کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ علما وارث انبیا ہیں، یہ بات حافظ ابن حجر ہیتمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "شرح الهمزية" میں ارشاد فرمائی۔ (۱۵)

اب ان علما کا کلام ملاحظہ فرمائیں جو اس کے مرفوع ہونے کے قائل ہیں۔

صاحب کشف الخفا حافظ عجلونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ علما سابقین کے

الطبعة الأولى ١٤١٦ھ تمييز الطيب صفحة ١٣١ رقم ٨٧٦، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الثانية ١٤٠٨ھ الدرر المنتثرة صفحة ١٧٨ رقم ٢٩٣، دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى ١٤٠٨ھ شرح الزرقاني على المواهب جلد ٧ صفحة ٢٩٠ الفوائد الموضوعة للكرمي صفحة ٢١ رقم ٨١، طبع دار الوراق، النخبة البهية صفحة ١١ طبع المكتب الإسلامي

(۹)- الأسرار المرفوعة صفحة ٥٩ رقم ٦٤، المصنوع صفحة ١٣٣، رقم ١٩٦

(۱۰)- الغماز على اللماز صفحة ٥٤ رقم ١٥٧، دار الكتب العلمية الطبعة الأولى ١٤٠٦ھ

(۱۱)- المقاصد الحسنة صفحة ٣٣٢ رقم ٧٠٠، دار الكتب العلمية، الطبعة الثانية ١٤٢٧ھ

(۱۲)- "تذكرة الموضوعات" صفحه ٢٠

(۱۳)- تحذير المسلمين صفحة ١٤٣ رقم ٢١٢، دار الكلم الطيب الطبعة الأولى ١٤٣٦ھ

(۱۴)- الآداب الشرعية ٢/٣٧، أحاديث في فضل العلم والعلماء، مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى سنة ١٤١٩ھ

(۱۵)- حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح صفحة ٤، مقدمة الكتاب.

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

حوالے سے اس حدیث کے بارے میں "لا أصل له" لکھنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:

"وأنكره أيضا الشيخ إبراهيم الناجي، وألف في ذلك جزءا. وقال النجم: وممن نقله جازم بأنه حديث مرفوع الفخر الرازي، وموفق الدين بن قدامة، والأسنوي، والبارزي، واليافعي، وأشار إلى الأخذ بمعناه التفتازاني، وفتح الدين الشهيد، وأبو بكر الموصلي، والسيوطي في الخصائص، وله شواهد ذكرتها في حسن التنبيه لما ورد في التشبيه، انتهى، وقد يؤيده أنه الواقع."

یعنی ان کے علاوہ شیخ ابراہیم ناجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اس حدیث کا انکار کیا ہے۔ اور اس بارے میں ایک جزء لکھا ہے۔ حافظ نجم الدین الغزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: اور ان لوگوں میں سے جنہوں نے اس حدیث کو نقل کیا اور اس کے حدیثِ مرفوع ہونے پر جزم کیا ان میں امام فخر الدین رازی، موفق الدین بن قدامہ، اسنوی، بارزی، اور امام یافعی رحمہم اللہ ہیں۔ اور اس کے معنی کے صحیح ہونے کی طرف علامہ تفتازانی، فتح الدین الشہید، ابو بکر الموصلی اور علامہ سیوطی رحمہم اللہ نے الخصائص میں اشارہ فرمایا ہے۔ اور اس کے شواہد میں نے "حسن التنبیہ لما ورد فی التشبیہ" میں ذکر کیے ہیں (علامہ غزی کا کلام مکمل ہوا، علامہ عجلونی فرماتے ہیں:) ان کا یہ کلام اس بات کی تائید کرتا ہے کہ یہ حدیث واقع ہے۔"[16]

علامہ عجلونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے شیخ حافظ غزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تصنیف "اتقان ما يحسن من الأخبار الدائرة على الألسن" کا کلام نقل کرکے یہ ارشاد فرمایا کہ ان کی بحث یہ بات ثابت کرتی ہے کہ یہ حدیث ثابت ہے۔

حافظ غزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث پر تفصیلی بحث اپنی منفرد تصنیف "حسن التنبه لما ورد في التشبه" میں کی ہے، یہ کتاب ۱۲ر جلدوں میں دار النوادر قطر سے طبع ہوئی ہے اس کتاب کے نام میں علما کا اختلاف ہے، کتاب کے محقق کے مطابق خود مؤلف نے اس کا نام "حسن التنبه لما ورد في التشبه" لکھا ہے اور اسی نام سے یہ کتاب شائع ہوئی ہے۔ جبکہ بعض علمانے اس کا نام "حسن التنبیه لما ورد في التشبیه" بیان کیا ہے۔ کتاب کے مؤلف امام جلیل نجم الدین محمد بن محمد العامری الغزی المتوفی سنہ ۱۰۶۱ھ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہیں، اس کتاب کو آپ نے قریب چالیس سال میں تحریر فرمایا ہے اور اس میں وہ فوائد و زوائد بیان کیے ہیں کہ جن کا بیان نہیں، اس میں آپ نے تشبہ پر تفصیلی کلام کیا ہے، کن سے تشبہ اختیار کرنا چاہیے، ان کی اقسام پھر ہر قسم کے خصال حمیدہ جو قابل تشبہ ہیں وہ ذکر فرمائے اور ہر ایک کے ضمن میں احادیث و آثار، اقوال ائمہ، حکایات، واشعار ذکر کیے ہیں، یونہی کن کے ساتھ تشبہ نہیں ہونا چاہیے ان کا ذکر کیا ہے۔ اس کی جلد ۵ میں آپ نے انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ تشبہ کا ذکر کیا ہے اور اسی ضمن میں آپ نے صفحہ ۲۶۹ سے ۲۸۶ تک حدیث مذکور پر کلام کیا ہے۔ حقیقتاً اس میں آپ نے شیخ برھان الدین ناجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا رد کیا ہے جنہوں نے اس حدیث کے ثابت ہونے کا انکار کیا ہے اور ایک جزء اس حوالے سے لکھا ہے جس میں دو طرح کے دلائل دیے ہیں، ایک اس حوالے سے کہ یہ حدیث احادیث کی کتب معتبرہ میں نہیں پائی جاتی، دوسرا اس سے علمائے امت کا انبیائے کرام علیہم السلام کے برابر ہونا لازم آتا ہے۔

علامہ غزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ان دونوں باتوں کا جواب ارشاد فرمایا دوسری بات کہ اس سے انبیا اور علما میں تسویہ لازم آتا ہے اس کا آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تفصیل کے ساتھ شافی جواب دیا ہے کہ تشبیہ کی وجہ سے ہرگز برابری لازم نہیں آتی۔ رہی پہلی بات کہ یہ حدیث کتب معتبرہ میں نہیں پائی جاتی اس کے بارے میں آپ ارشاد فرماتے ہیں:

"وأما من حيث النقل فإن العلماء الذين نقلوه حديثا ثقات، فالأولى حمل أمرهم على أنهم ظفروا به مسندا، ولم نظفر نحن به، على أن لهذا الحديث شواهد سنوردها قريبا -إن شاء الله تعالى-"

یعنی بہر حال نقل کے اعتبار سے تو بے شک وہ علما جنہوں نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے وہ ثقہ ہیں، تو اولی یہ ہے کہ ان کا معاملہ اس پر محمول کیا جائے کہ انہوں نے اس حدیث کو سندا پایا، اور ہم اس کو نہ پا سکے، علاوہ ازیں اس حدیث کے شواہد موجود ہیں جنہیں ان شاء اللہ تعالی ہم عنقریب بیان کریں گے۔[17]

بعدہ آپ نے معنی کے اعتبار اس کی مؤید احادیث طیبہ ذکر کی ہیں۔

....(جاری)

(۱۶)- کشف الخفاء ۷۵-۲/۷۴، رقم ۱۷۴۴، المكتبة العصرية، بيروت، ۱۴۲۷ھ

(۱۷)- "حسن التنبه لما ورد في التشبه" ۵/۲۷۱

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

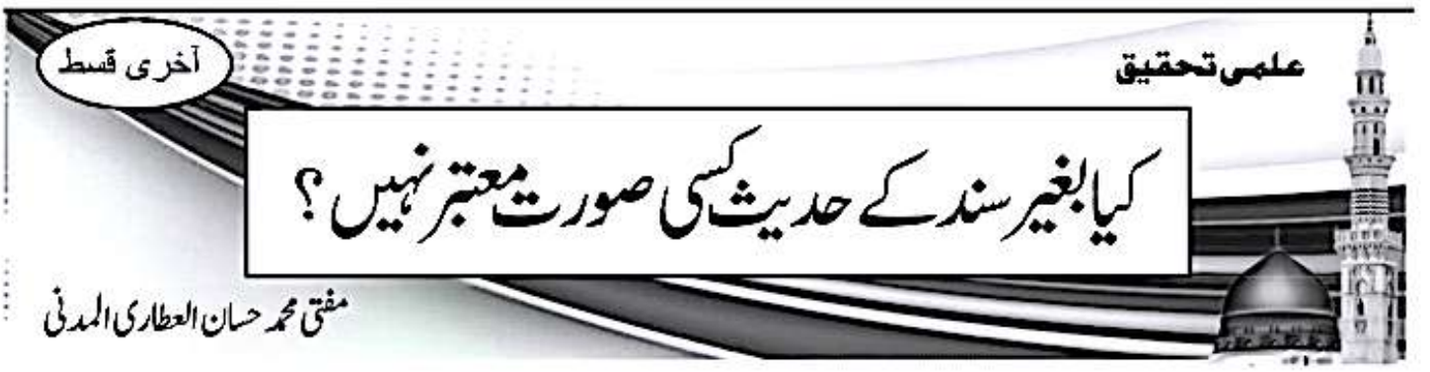

آخری قسط

علمی تحقیق

کیا بغیر سند کے حدیث کسی صورت معتبر نہیں؟

مفتی محمد حسان العطاری المدنی

اگر حدیث بلا سند ہو لیکن فضائل سے تعلق رکھتی ہو اور کسی معتبر کتاب میں اس کو نقل کیا گیا ہو اور ائمہ نے اس پر اعتماد کیا ہو نیز موضوع حدیث کے قواعد میں سے کسی قاعدہ کے مطابق وہ موضوع قرار نہ دی گئی ہو تو وہ حدیث معتبر ہوا کرتی ہے۔

حافظ غزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے کلام سے ظاہر ہو گیا کہ یہ حدیث ثقات علما نے اپنی کتب میں نقل کی ہے۔ اور جب یہ حدیث ان کتب معتبرہ میں موجود ہے تو پھر ان علما کی اس نقل کو اسی پر محمل کیا جائے گا کہ ان کو یہ حدیث سند کے ساتھ ملی ہوگی اور ہم اس پر مطلع نہیں ہو سکے۔

علامہ نجم الدین الغزی نے جن علما کے نام لکھے ان کے علاوہ بھی بعض اور علما نے اس حدیث کو مرفوعاً ذکر کیا ہے۔ مثلاً ابن عجیبہ نے اپنی تفسیر "البحر المدید" میں سورۃ النحل کی آیت ۲ کی تفسیر میں، ابن عادل الدمشقی نے "اللباب فی تفسیر الکتاب" میں سورۃ الواقعہ آیت ۱۳ اور ۱۴ کی تفسیر میں، علامہ نیشاپوری نے اپنی تفسیر "غرائب القرآن" میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۸۷ کی تفسیر میں، علامہ برہان الدین مازہ نے "محیط برہانی" جلد ۱ صفحہ ۱۵۷ مقدمۃ الکتاب میں، حاجی خلیفہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے "کشف الظنون" جلد ۱ صفحہ ۱ مقدمۃ الکتاب میں ان الفاظ کو حدیث مرفوع کے طور پر ذکر کیا ہے۔ نیز امام اہلسنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کو فتاوی رضویہ جلد ۲۸ صفحہ ۴۱۰ اور "المتعمد المستند حاشیۃ المتعقد المنتقد" صفحہ ۲۱۷ پر امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے فضائل کے ضمن میں بیان فرمایا ہے۔

(۵) معروف محدث و محقق علامہ عبد الحی لکھنوی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تصنیف "الأجوبة الفاضلة للأسئلة العاشرة" کے پہلے سوال کے جواب میں سند کی اہمیت کو بیان کرنے اور واضعین حدیث کا ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:

"فارتفع الأمان عن الأخبار، ما لم يوجد لها سند معتمد، أو اعتمد به واحد من الأخيار. ومن ههنا نصوا على أنه لا عبرة للأحاديث المنقولة في الكتب المبسوطة ما لم يظهر سندها، أو يعلم اعتماد أرباب الحديث عليها"

یعنی ان واضعین حدیث کی وجہ سے اخبار سے امان اٹھ گیا (سوائے اس صورت کہ) جب ان اخبار کے لیے کوئی سند معتمد موجود ہو، یا اخیار میں سے کسی نے اس حدیث پر اعتماد کیا ہو، یہیں علما نے اس پر نص وارد کی ہے کہ جو احادیث کتب مبسوطہ میں منقول ہو ان کا کوئی اعتبار نہیں جب تک ان کی سند ظاہر نہ ہو یا محدثین میں سے کسی نے اس پر اعتماد نہ کیا ہو۔[1]

جواب کے آخر میں مزید ارشاد فرماتے ہیں:

"بقي ههنا أمر آخر وهو أنه، وإن كان لابد للإسناد في كل أمر من أمور الدين، لكن قد يقوم مقامه نقل من يعتمد عليه، وتصريح من يستند إليه لا سيما في الأعصار المتأخرة لفوات اهتمام الإسناد فيها بالشروط المقررة، فإن شدد فيها بطلب الإسناد في كل أمر فات المراد، فيكتفى بتصريح من عليه الاعتماد"

یعنی ایک معاملہ باقی رہ گیا وہ یہ کہ اگرچہ اسناد دین کے تمام امور میں ضروری ہے، لیکن کبھی معتمد علیہ کی نقل اور مستند الیہ کی تصریح اسناد کے قائم مقام ہوتی ہے، خصوصاً ازمنہ متاخرہ میں کہ اس میں شروط مقررہ کے ساتھ اسناد کا اہتمام باقی نہیں رہا، لہذا اگر تمام معاملات میں سند طلب کرنے میں شدت برتی جائے گی تو مقصود فوت ہو جائے گا، تو جس پر اعتماد

(۱)-الأجوبة الفاضلة للأسئلة العاشرة ص ۲۹ طبع مكتب المطبوعات الإسلامية الطبعة السادسة ۱۴۲۶ھ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

کیاجاتا ہے اس کی تصریح پر اکتفاء کیاجائے گا۔[۲]

علامہ لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی تصنیف "الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة" کے مقدمہ میں صوفیۂ کرام کی بیان کردہ احادیث جو بلا سند ہوں اس پر اپنے ایک عزیز سے مباحثہ ذکر کیا ہے۔ جس کے آخر میں آپ نے ان احادیث کے معتبر ہونے کی دو وجوہ بیان کی ہیں:

(۱) یہ اکابر صوفیہ اس بات کو بیان کریں کہ اگر ان کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی خواب میں یا بیداری میں اور انہوں نے اس حدیث کی تصحیح خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے حاصل کی، یا ان کو الہام کیا گیا یعنی کشف کیا گیا تو اس صورت میں ہم ان کی بلا سند حدیث کو بھی قبول کرلیں گے۔

(۲) یہ صوفیہ اس بات کا دعوی نہ کریں لیکن یہ اکابر محدثین میں سے ہوں تو ہم ان کی یہ حدیث جو بلا سند ہے قبول کرلیں گے۔

یاد رہے کہ علامہ لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ مباحثہ اپنے جس عزیز سے ہوا وہ علی الاطلاق صوفیۂ کرام کی احادیث کے قبول کرنے کے قائل تھے جس پر دونوں کی تفصیلی بحث ہوئی اور آخر میں عبد الحی لکھنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس بات کو بیان کیا۔

تفصیل کے لیے نفس مقام دیکھیے نیز سیدی اعلی حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا رسالہ "منیر العین" کے صفحہ ۴۹۱ تا ۴۹۴ کا مطالعہ فرمائیں۔

محترم قارئین! یہ چند صریح عبارات اور استدلالات تھے جو ہم نے ذکر کردیے کہ اگر حدیث بلا سند ہو لیکن فضائل سے تعلق رکھتی ہو اور کسی معتبر کتاب میں اس کو نقل کیا گیا ہو اور ائمہ نے اس پر اعتماد کیا ہو نیز موضوع حدیث کے قواعد میں سے کسی قاعدہ کے مطابق وہ موضوع قرار نہ دی گئی ہو تو وہ حدیث معتبر ہوا کرتی ہے۔ غور و فکر اور مراجعت کتب سے اس میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

یہاں چند باتوں پر تنبیہ ضروری ہے۔

(۱) احادیث طیبہ کو بیان کرنے میں قدیما و حدیثا متشددین اور متساہلین دونوں پائے جاتے ہیں جس طرح بڑی تعداد میں افراد احادیث طیبہ گھڑا کرتے تھے اور آج کے دور میں ایسی احادیث موضوعہ کو بیان کیا جاتا ہے، تو دوسری جانب متقدمین میں بہت سے محدثین ایسے گزرے ہیں جو ضعیف بلکہ بسا اوقات صحیح اور حسن احادیث کو اپنے تشدد کی بنیاد پر موضوع قرار دے دیتے تھے۔ اسی طرح ہمارے زمانہ میں بھی ایسے متشددین کی کمی نہیں ہے جو بغیر تحقیق تام کے اور قواعد محدثین کو پیش نظر رکھے بغیر احادیث کو موضوع قرار دینے میں خوف نہیں کرتے، ان میں سر فہرست نام البانی کا ہے۔

حالاں کہ جس طرح حدیث گڑھنا حرام ہے اور اس پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔ اسی طرح قواعد حدیث کی رعایت کیے بغیر کسی حدیث کا انکار بھی گمراہی ہے۔ لہذا دونوں طرف احتیاط ضروری ہے۔

اسی بات پر تنبیہ کرتے ہوئے فقیہ اعظم ہند حضرت مفتی شریف الحق امجدی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ت ۱۴۲۱ھ) فرماتے ہیں: جس طرح حدیث گھڑنا حرام ہے اسی طرح کسی حدیث کا انکار بھی گمراہی ہے، اس لیے اس معاملے میں دونوں طرف کافی احتیاط کی ضرورت ہے۔[۳]

کسی حدیث کو موضوع یا ضعیف قرار دینا یہ اہل علم کا کام ہے اور اہل علم میں بھی وہ افراد جو فن حدیث میں درک رکھتے ہوں، اور ان اصول سے واقف ہوں جن کی بنیاد پر حدیث موضوع یا ضعیف ہوتی ہے کیونکہ بسا اوقات کسی حدیث کو محدثین نے موضوع یا ضعیف کہا ہوتا ہے لیکن وہ حکم خاص ایک سند کے لحاظ سے ہوتا ہے دیگر اسانید سے وہ حدیث بسا اوقات درجۂ صحت پر ہوتی ہے۔ یا سنداً ضعیف ہوتی ہے لیکن خارجی امور سے تقویت پاکر احکام میں بھی حجت ہوتی ہے۔ درس نظامی سے فارغ ہمارے بعض افراد جو مصطلح الحدیث، اور خصوصا اس کے شعبہ اصول جرح و تعدیل سے عمومی طور پر واقف نہیں ہوتے، مصطلح کی ایک آدھی کتاب پڑھی ہوتی ہیں، ایسے افراد بعض کتابوں میں فقط اتنا پڑھ لیتے ہیں لا اصل لہ، یا کسی راوی پر کلام پڑھتے ہیں تو یہ سمجھتے ہیں کہ حدیث موضوع یا ضعیف ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوتا جس کی بین امثلہ اوپر آپ پڑھ چکے ہیں۔

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حدیث (من قطع میراث وارثه قطع الله میراثه من الجنة يوم القيامة) کے انکار کرنے والے کے بارے میں فرماتے ہیں:

بطور محدثین اس کی سند میں کلام ہے، مگر اس کے معنی عند العلما مقبول ہیں۔

پھر اس حدیث کے منکر کے بارے میں فرماتے ہیں:

---

(۲)-المرجع السابق ص۶۰

(۳)-نزهة القاري شرح صحيح البخاري جلد۱ صفحه ۴۵۰، فريد بك اسٹال طبع اول ۱۴۲۱ھ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

منکرِ حدیث مذکور اگر ذی علم ہے اور بوجہ ضعف سند مکذم کرتا ہے فی نفسہ اس میں حرج نہیں مگر عوام کے سامنے ایسی جگہ تضعیف سند کا ذکر ابطال معنی کی طرف منجر ہوتا ہے اور انہیں مخالفت شرع پر جری کر دیتا ہے اور حقیقہ قبول علما کے لیے شان عظیم ہے کہ اس کے بعد ضعف اصلاً مضر نہیں رہتا۔ کما حققناہ في الهاد الكاف في حكم الضعاف۔ اور اگر جاہل ہے بطور خود جاہلانہ برسرپیکار ہے تو قابل تادیب وزجر وانکار ہے کہ جہال کو حدیث میں گفتگو کیا سزاوار ہے۔ (۴)

امام اہل سنت کے اس مبارک فتوی سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حدیث کا انکار اگر بعدِ تحقیقِ صحیح تھا تو اگرچہ اس پر شرعاً حکم نہیں، لیکن ظاہر ہے یہ اس صورت میں ہے کہ جب کہ وہ حدیث واقعی سندا ضعیف ہو ورنہ کم از کم اس پر خطا کا حکم لازم آئے گا۔

یہ بات ملحوظ رہے کہ حدیث مذکور کے منکر سے مراد یہ ہے کہ وہ اس حدیث کے کسی سند صحیح یا حسن کے ساتھ ثابت ہونے کا انکار کرتا ہو۔ یہ مراد نہیں کہ اصلا یہ حدیث مروی ہی نہیں چاہے سند ضعیف کے ساتھ۔

امام محمد بن عبد اللہ بہادر الزرکشی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ت ۷۹۴ھ) اپنی کتاب "اللآلي المنثورة" لکھنے کی ایک وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ:

"وربما نفاه بعض أهل الحديث لعدم اطلاعه عليه، والنافي له كمن نفى أصلا من الدين، وضل عن طريقه المبين."

یعنی بعض اوقات محدثین کسی حدیث پر عدم اطلاع کی وجہ سے اس حدیث کی نفی کر دیتے ہیں۔ اور ایسی ثابت حدیث کی نفی کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جو دین کی ایک اصل کا انکار کر دیتا ہے، اور واضح راستہ سے دور ہو جاتا ہے۔ (۵)

ظاہر ہے کہ کسی محدث کا واضح راستہ سے دور ہونا اسی صورت میں ہوگا، جب اس نے قواعد وضوابط کی رعایت کیے بغیر حدیث کا انکار کر دیا ہو۔

(۲) بلا سند حدیث جو کتاب معتبر میں ہو اس کے معتبر ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ قواعد حدیث کی روشنی میں موضوع ثابت نہ ہو چکی ہو، یہ پندرہ قواعد ہیں جنہیں سیدی اعلی حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے منیر العین میں ایک مقام پر جمع کر دیا ہے۔ لہذا اگر وہ حدیث خارج سے موضوع ثابت ہو چکی ہے تو اب کتاب معتبر میں ہونا اس کا کافی نہیں ہوگا۔ جیسے ایک قاعدہ اعلی حضرت علیہ الرحمۃ نے یہ بیان فرمایا کہ:

ناقل رافضی اہل بیت کرام علی سیدہم وعلیہم الصلاۃ والسلام کے فضائل میں وہ باتیں روایت کرے جو اس کے غیر سے ثابت نہ ہوں، جیسے حدیث:

"لحمك لحمي ودمك دمي."

أقول: انصافا یوں ہی وہ مناقب امیر معاویہ وعمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کہ صرف نواصب کی روایت سے آئیں کہ جس طرح روافض نے فضائل امیر المومنین واہل بیت طاہرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں قریب تین لاکھ حدیثوں کے وضع کیں.

كما نص عليه الحافظ أبو يعلى الخليلي في الإرشاد.

یونہی نواصب نے مناقب امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حدیثیں گھڑیں۔

كما أرشد إليه الإمام الذاب عن السنة أحمد بن حنبل رحمه الله تعالى (۶)

اس طرح کے پندرہ قواعد امام اہل سنت نے اسی مقام پر جمع فرمائے ہیں، جن کا یہاں ذکر کرنا مضمون کی طوالت کا سبب بنے گا شائقین علم فتاوی رضویہ کے اس مقام کا مطالعہ فرمالیں۔

بہر حال اگر حدیث ان دلائل کی بنیاد پر موضوع ثابت ہو چکی تو اب کتاب معتبر میں اس کا ہونا کفایت نہیں کرے گا۔ حدیث مبارک میں ہے:

"من بلغه عن الله شيء فيه فضيلة فأخذ به إيمانا به، ورجاء ثوابه أعطاه الله تعالى ذلك، وإن لم يكن كذلك."

جسے اللہ تبارک وتعالی سے کسی بات میں کچھ فضیلت کی خبر پہنچے وہ اپنے یقین اور اس کے ثواب کی امید سے اس بات پر عمل کرے اللہ تعالی اسے وہ فضیلت عطا فرمائے اگرچہ خبر ٹھیک نہ ہو۔

امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث کے مختلف طرق وحوالے نقل کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:

ان احادیث سے صاف ظاہر ہوا کہ جسے اس قسم کی خبر پہنچی کہ جو ایسا کرے گا یہ فائدہ پائے گا اسے چاہیے نیک نیتی سے اس پر عمل کرلے اور تحقیق صحتِ حدیث ونظافت سند کے پیچھے نہ پڑھے وہ ان

---

(۴)-فتاوی رضویہ جلد ۲۷ صفحہ ۴۷ طبع رضا فاؤنڈیشن لاہور

(۵)-اللآلي المنثورة في الأحاديث المشتهرة صفحه ٥، المكتب الإسلامي بيروت، ١٤١٧ھ الطبعة الأولى،

(۶)-منير العين ضمن الفتاوي الرضوية ٥/٤٦٦.

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

شاء اللہ اپنے حسن نیت سے اس نفع کو پہنچ ہی جائے گا۔

أقول: یعنی جب تک اس حدیث کا بطلان ظاہر نہ ہو کہ بعد ثبوت بطلان رجاوامید کے کوئی معنی نہیں۔

فقول الحدیث وإن لم یکن ما بلغه حقا ونحوه إنما یعنی به في نفس الأمر لا بعد العلم به، وهذا واضح جدا فتثبت ولا تزل۔ (۷)

(۳) ایک سوال یہاں یہ ہوسکتا ہے کہ کتاب معتبر سے مراد کیا ہے؟ آیا وہ کتب جو حدیث یا متعلقات حدیث سے تعلق رکھتی ہوں، یا مطلقا کسی بھی فن کی کتاب معتبر؟

ماقبل میں ذکر کردہ جزئیات کی روشنی میں جوبات ظاہر ہے وہ کسی امام معتبر کی کتاب ہونی چاہیے جس کا حدیث کو بیان کرنے میں متساہل ہونا واضح نہ ہو۔ کیوں کہ "اختلاف امتی رحمة" میں جن کتب کا حوالہ دیا گیا ہے ان میں سے اغلب کتب عقائد سے تعلق رکھتی ہیں۔

اسی طرح حافظ عزی علیہ الرحمہ نے "علماء امتی" والی حدیث کے معتبر ہونے کے لیے جن کتب کا حوالہ دیا ہے ان میں سے اکثر کتب حدیث کی نہیں ہیں۔

یونہی حافظ طاہر پٹنی رضی اللہ تعالی عنہ کے کلام میں بھی مطلقا امام معتبر کی قید ہے۔ یہی حاصل امام اہلسنت رضی اللہ تعالی عنہ کے کلام کا ہے۔ لیکن شرط یہی ہے کہ خارجی ادلہ سے وہ حدیث موضوع قرار نہ دی گئی ہو، ورنہ کتاب معتبر میں ہونا اس کا کفایت نہیں کرے گا۔ نیز یہ ضروری ہے وہ کتاب ایسے امام کی ہو جو احادیث کو ذکر کرنے میں متساہل نہ ہوں، جیسے کتاب نزهة المجالس ہے۔

علامہ علوی مالکی رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں:

"ذکر العلماء کتبا لا ینبغي للإنسان أن ینقل منها حدیثا إلا بعد المراجعة والتنقیب، بل بعضها یغلب فیه ذکر الأحادیث الموضوعة وذلك مثل شمس المعارف ونزهة المجالس لعبد الرحمن الصفوري فلا ینبغي الاعتماد علیها لکثرة الأحادیث الموضوعة فیها، حتی إن برهان الدین محدث دمشق حذر من قراءتها، وحرمها الجلال السیوطي۔"

علما نے بعض کتابوں کا ذکر کیا جن سے کسی کے لیے حدیث بغیر مراجعت وتحقیق کے ذکر کرنا درست نہیں ہے، بلکہ بعض ان میں سے وہ کتب ہیں جن میں موضوع احادیث کے ذکر کرنے کا غلبہ ہے، جیسے "شمس المعارف" ہے یا عبد الرحمن الصفوري کی "نزهة المجالس" ہے، ان میں بکثرت احادیث موضوعہ کے پائے جانے کے سبب ان پر اعتماد کرنا درست نہیں، حتی کے محدث دمشق برہان الدین رضی اللہ تعالی عنہ نے اس کو پڑھنے سے بچنا کا حکم دیا جب کہ علامہ سیوطی رضی اللہ تعالی عنہ نے اس کی قراءت حرام قرار دی ہے۔ (۸)

ان کتب سے احادیث کے نقل کرنے کے بارے میں سخت احتیاط کی حاجت ہے البتہ اہل علم احادیث کے علاوہ ان کے فوائد کو نقل کرتے ہیں تو اس میں حرج نہیں ہونا چاہیے۔

(۴) یہاں یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ اگر اس بات کو تسلیم کرلیا جائے کہ کتاب معتبر میں پائی جانے والی بلا سند حدیث بھی معتبر ہے تو محدثین نے جو اسناد کے لیے کوشش کی ہیں اور مشرق ومغرب کے اسفار کیے ہیں وہ سب رائیگاں جائیں گے۔

جواب: اصول حدیث میں احادیث کے مختلف درجات بیان کیے گئے ہیں، صحیح لذاتہ، صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ، حسن لغیرہ، ضعیف، ضعیف بضعف قریب، حدیث شدید الضعیف، مطروح وغیرہ، ہر ایک کا اعتبار جدا جدا ہے ان میں سے بعض احکام میں معتبر ہیں بعض نہیں، بعض کثرت طرق سے حسن لغیرہ کے درجہ تک پہنچتی ہیں تو بعض فقط تقویت حاصل کرتی ہیں۔ بعض بالاجماع فضائل میں معتبر ہیں تو بعض عند التحقیق فضائل میں معتبر ہیں۔

الغرض ہر حدیث جدا حکم رکھتی ہے اور حدیث کا مقام اور مرتبہ سند ہی کی وجہ سے جدا ہوتا ہے، لہذا جو سند جس قدر قوی ہوتی جائے گی حدیث کا درجہ اتنا ہی زیادہ ہوتا جائے گا اور یہی محدثین کے اسناد کے لیے جدوجہد کا ثمرہ ہے اور جہاں سند میں ضعف آتا جائے گا چاہے وہ اسباب طعن کی وجہ سے ہو یا سقط راوی کی وجہ سے درجۂ حدیث نزول کی طرف آئے گا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ سند کے موجود ہونے یا سند کے متصل ہونے کے فوائد اور اہمیت سے کوئی بھی انکار نہیں کرتا اور سند کے پائے جانے اور متصل ہونے پر ہی محدثین حدیث کے صحیح ہونے کا حکم دیتے ہیں (یعنی

(۷)-منیر العین ضمن الفتاوی الرضویة ۵/۴۸۸، وقد ذکر هذه الفائدة تلمیذ الإمام رحمه الله تعالی المحدث الشهیر ملك العلماء ظفر الدین البهاري رحمه الله تعالی في مقدمة صحیح البهاري معربا صفحة ۱۲۳. وانظر تعلیقنا هناك والرد علی الألباني المتناقض.

(۸)-المنهل اللطیف في أحکام الحدیث الضعیف صفحة ۲۹

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

اس کی دیگر شرائط کے ساتھ) وہ حدیث جو بسند متصل ہو، حدیث منقطع یا وہ حدیث جس کی اصلا سند نہیں اس پر واضح ترجیح رکھتی ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سند نہ ہونے کی وجہ سے وہ حدیث موضوع ہو جائے اگرچہ وہ کلام ائمہ معتبرین میں پائی جائے۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اسناد کے سنت مطلوبہ و فضیلت مرغوبہ و خاصۂ امت مرحومہ ہونے میں کسے کلام ہے، محققین قابلین مراسیل و معاضیل بھی مسانید کو ان پر تفضیل دیتے اور منقطع سے متصل کا نسخ نہیں مانتے۔ کما نص علیہ في المسلم وغیرہ۔[9]

حدیث سے ثابت ہونے والے مطالب تین اقسام پر ہیں:

عقائد احکام اور فضائل۔

عقائد کے باب میں حدیث واحد کام نہیں دیتی یعنی وہ عقائد اسلامیہ جو اصولی ہیں جن میں خاص یقین درکار ہوتا ہے وہاں خبر واحد اگرچہ صحیح ہو کفایت نہیں کرے گی۔

احکام میں حدیث صحیح لذاتہ صحیح لغیرہ حسن لذاتہ اور حسن لغیرہ درکار ہیں۔

فضائل میں احادیث ضعاف بھی معتبر ہوا کرتی ہیں۔

حدیث صحیح و حسن کے لیے محدثین کے نزدیک سند کا متصل ہونا ضروری ہے، لہذا جب سند متصل نہ ہو یا اصلا سند ہی نہ ہو تو وہ حدیث احکام میں حجت نہیں ہوگی، الا یہ کہ وہ طرق متعددہ کی وجہ سے حسن لغیرہ ہو جائے[10]

اسی سے محدثین کے اتصال کے لیے جدوجہد کا نتیجہ ظاہر ہو گیا۔

حدیث سے تین طرح کی باتوں کا ثابت ہونا یہ سیدی اعلی حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منیر العین میں بیان کیا ہے اور غالبا یہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اپنی جودت فقہ کا نتیجہ ہے۔ امام اہل سنت کے اس رسالہ مبارکہ کے دو عربی ترجمہ کیے گئے۔ ہیں ایک حضور سیدی تاج الشریعہ دامت برکاتہم القدسیۃ نے اور ایک حضرت مولانا منظر الاسلام ازہری صاحب دام ظلہ نے، دونوں کتابوں پر عرب کے جلیل القدر علما کی تقاریظ ہیں۔

منظر الاسلام صاحب کی تعریب پر مصر و ازہر کے علما کی تقاریظ ہیں جن میں ایک تقریظ جامعۃ الازہر کے استاذ حدیث شیخ مصطفی محمد ابو عمارہ حفظہ اللہ کی ہے جس میں انہوں نے سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس تصنیف کی غایت مدح کی ہے، خاص اس میں آپ نے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس تقسیم کی تحسین کی ہے ان کی عبارت ملاحظہ ہو:

"ومن بديع فقهه يقول: إن القضايا التي يستدل بها بالحديث ثلاثة أنواع، عقائد: ولا يكفي فيها خبر الآحاد، أحكام: يكفي فيها الصحيح بنوعين، والحسن بنوعين. فضائل: يكتفي فيها بالضعيف.. و يفصل القول في كل نوع من هذه الأنواع وغير ذلك من المباحث الرصينة والفوائد القيمة التي لا تراها إلا في هذا الكتاب."

یعنی ان کے نادر فقہ میں سے یہ ہے کہ فرماتے ہیں: وہ قضایا جن پر احادیث سے استدلال کیا جاتا ہے تین قسم پر ہیں:

عقائد اس میں خبر واحد کفایت نہیں کرتی۔

احکام: ان میں صحیح اپنی دونوں قسموں یعنی صحیح لذاتہ اور لغیرہ حسن اپنی دونوں قسموں کے ساتھ کفایت کرتی ہے۔

فضائل: اس میں حدیث ضعیف کفایت کرتی ہے۔

پھر امام نے ان تمام انواع میں سے ہر نوع کی تفصیل بیان کی ہے اس کے علاوہ اس میں وہ مضبوط مباحث اور قیمتی فوائد ہیں جو آپ اس کتاب کے علاوہ کہیں اور نہیں دیکھیں گے۔

اپنے مضمون کو ختم کرنے سے قبل اختصارا دو باتیں اور عرض کر دوں کہ سند کا نہ پایا جانا یہ ہمارے اعتبار سے ہے، لیکن جب کسی معتبر امام نے اس کو اپنی کتاب میں نقل کیا ہو تو اسی پر محمول کیا جائے گا کہ ان کو اس کی سند ملی ہوگی۔

كما تقدم في كلام الإمامين السيوطي والغزي تصريحا وفي كلام الحافظ طاهر الفتني ضمنا۔[11]

دوسری بات یہ کہ یہ تمام ابحاث طرز محدثین پر تھیں جہاں تک رہا معاملہ فقہاے کرام کا ان کے نزدیک اسناد کے احکام میں کچھ فرق ہے تفصیل کے لیے منیر العین کا مطالعہ فرمائیں۔

☆☆☆☆

۹- فتاوی رضویہ جلد ۵ صفحہ ۶۲۳، ۶۲۴

۱۰- البتہ بعض صورتیں اس سے مستثنی ہیں، حدیث ضعیف احکام میں کب حجت ہوتی ہے اس پر ان شاء اللہ عزوجل علیحدہ مضمون لکھنے کی کوشش کروں گا۔

(۱۱)- اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے امام اہل سنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دو تصانیف "صفائح اللجین" اور "الفضل الموهبي" کا مطالعہ مفید ثابت ہوگا۔

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari